قرآن کریم اور روحانیت

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ جسم ایک مادی وجود ہے جسے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے اور حواس کے ذریعے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے، جب کہ روح غیر مادی وجود ہے، جسے نہ تو چھوا جا سکتا ہے اور نہ آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، مگر انسان کے وجود کے لیے اس حد تک لازم ہے کہ جسم اس کے بغیر باقی نہیں رہتا بلکہ فنا ہو جاتا ہے۔ روح کا رشتہ جس لمحے جسم سے منقطع ہوتا ہے انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور وہ مُردہ قرار پاتا ہے۔ جسم اپنی بقا کے لیے روح کا محتاج ہے۔

سوال یہ ہے کہ روح کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

عصر حاضر کے مغربی مفکرین روح کو بھی مادّی شے سمجھتے ہیں، یعنی جس طرح جسم مادی وجود ہے اسی طرح روح کو بھی مادی وجود تسلیم کرتے ہیں اور ان دونوں مادوں کے اتصال سے انسانی زندگی قائم رہتی ہے۔ روح سے جدا ہو کر جسم گل سڑ جاتا ہے اور روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ جرمن فلسفی کانٹ کا کہنا ہے کہ: ''ہم اپنے وجود کے اندر نہ تو مافوق الشعور شے کو تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ اس کے اثرات کا تجربہ کر سکتے ہیں''۔ (Encyclopedia of Religions and Ethics، نیویارک، ۱۹۵۸ء، جلد xi، ص ۸۳)

تاہم یہ خیال بہت پرانا ہے۔ عرب کے مشرکین کا بھی تقریباً یہی خیال تھا کہ انسان کی زندگی مادی وجود کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، چنانچہ ان کا قول نقل کرتے ہوئے قرآن کریم میں آیا ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ

(الجاثیہ ۴۵:۲۴) وہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کے علاوہ

کچھ اور نہیں ہے جہاں ہم جیتے اور مرتے ہیں اور زمانہ ہمیں ہلاک کرتا ہے۔

قرآن کی نظر میں یہ خیال درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا صرف جسم ختم ہوتا ہے، جب کہ روح اپنے پیدا کرنے والے کے حکم سے اس کے پاس چلی جاتی ہے اور انسان کے اچھے برے عمل کے لیے جواب دہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے صراحت کی ہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۶) ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔

جسم تو فنا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، اللہ کی طرف صرف روح جاتی ہے۔ چنانچہ نیک روحوں کے بارے میں قرآن پاک نے کہا ہے:

یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ (الفجر ۸۹:۲۷-۳۰) ''اے نفس مطمئن لوٹ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ اللہ تجھ سے راضی ہو اور تو اللہ سے، پھر داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

اس روح کی بقا کے راز کو کھولتے ہوئے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

روح کی حقیقت

محدثین کے یہاں روح لطیف نورانی وجود ہے اور حکما اور صوفیہ کے یہاں روح جوہرِ مجرد ہے۔ روح شکر اور نمک کی طرح نہیں ہے جو پانی میں گھل جائے اور نہ سیاہی اور سفیدی کی طرح وصف ہے جو سیاہ سفید شے میں تحلیل ہو جائے۔ مشہور مفسر قرآن عبداللہ انصاریؒ نے روح کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

انسان کا جسم دل اور روح کا مجموعہ ہے۔ جسم محل امانت ہے، دل بارگاہ خطاب ہے اور روح نقطہ گاہ مشاہدہ ہے۔ جو کچھ نعمت کے قبیل سے تھی وہ جسم پر نثار ہوئی جس کی غذا کھانا پینا ہے۔ جو کچھ احسان کے قبیل سے تھی وہ دل کا تحفہ بنی، جس کی قوت ذکر اور یادِ خدا

ہے۔ جو کچھ مشاہدات کے قبیل سے تھی وہ روح کے حصّے میں آئی، جس کی غذا دیدارِ دوست ہے۔ جسم قدرت کے قہر میں ہے، دل اس کے قبضے میں اور روح اس کے سایۂ عزت میں ہے۔ (خواجہ عبداللہ انصاری، کشف الاسرار وعمدۃ الابرار، ج ۵، ص ۲۲۶)

یہودیوں کے ایک گروہ نے ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ روح کیا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی آئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۵) وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ بتا دیجیے کہ روح میرے رب کا امر ہے اور تم لوگوں کو (اس بارے میں) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

قرآن کی نظر میں روح جسم کی طرح مادی شے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جس چیز کو بنانا چاہتا ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ شے وجود میں آجاتی ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسین ۳۶: ۸۲) وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

روح کی حقیقت یہی ہے کہ وہ مادی ڈھانچے میں اللہ کی طرف سے 'ہو جانے' کا کلمہ یا حکم ہے۔ جب تک انسان کی حیات مقرر ہے اس وقت تک یہ روح انسانی قالب میں رہتی ہے اور جب یہ مدت تمام ہو جاتی ہے تو روح اس مادی جسم سے نکل کر اپنے پیدا کرنے والے کے یہاں چلی جاتی ہے۔ اگر یہ بُرے عقیدے وعمل کی حامل رہی ہے تو 'سجّین' اس کا مقام ہے۔

قرآن پاک میں اس کی وضاحت ان لفظوں میں کی گئی ہے:

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (النحل ۱۶: ۱۱۱) (ان سب کا فیصلہ اُس دن ہوگا) جب کہ ہر متنفس اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور

کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہ ہونے پائے گا۔

معلوم یہ ہوا کہ انسان کا وجود اس روح کی وجہ سے قائم ہے جو اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اسی کے اتصال سے انسان زندہ ہے اور اسی کے انفصال سے انسان مردہ ہو جاتا ہے۔ مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

روح کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں 'اس امر' کا لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۵) وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط (الشوریٰ ...: ۵۲) يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المؤمن ۴۰:۱۵) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النحل ۱۶: ۲)، امر عبارت ہے کلمۂ کُن سے، یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقے پر کی جائے جس پر غرض ایجاد و تکوین مرتب ہوا، لہٰذا ثابت ہوا کہ روح کا مبدا حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے"۔ (ترجمہ قرآن، مولانا محمود حسن، تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۵، حاشیہ ۴)، ص ۳۸۷)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہر چیز میں جو 'کُن' کی مخاطب ہوئی روح حیات پائی جائے۔ بے شک میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے، یعنی جس کام کے لیے وہ چیز پیدا کی گئی ڈھانچا تیار کر کے اس کو حکم دینا 'کُن' (اس کام میں لگ جا) بس یہی اس کی روح حیات ہے"۔ (ایضاً، ص ۳۸۸)

اللہ تعالیٰ نے یوں تو تمام اشیا کو مادہ سے پیدا کیا اور ہر جان دار کو اس کے مقصدِ تخلیق اور کام کے لحاظ سے قالب عطا کیا اور جان عطا کی۔ اسی طرح انسان کا قالب بھی مٹی سے بنایا مگر اس کو روحِ خاص عطا کی۔

جب تک انسان مٹی کا پتلا تھا، یعنی صرف مادی وجود رکھتا تھا وہ کسی حیثیت کا مالک نہ تھا۔ جب اللہ نے اس قالب میں اپنی روح ڈال دی تو وہ قابلِ احترام اور لائق تعظیم ہو گیا اور وہ مسجود ملائک بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیدایش کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط (ص ۳۸: ۷۱-۷۴) اور یاد کرو وہ وقت جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان کا قالب بنانے جارہا ہوں تو جب میں اسے مکمل کردوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤ، چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں اس مٹی کے قالب میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ یعنی انسان اپنے مادی وجود کی وجہ سے قابلِ تعظیم نہ تھا، بلکہ اس روح کی بدولت قابلِ تعظیم اور سزاوارِ سجدہ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کے قالب میں پھونک دی۔

روحِ انسانی جسم کو صرف زندہ اور متحرک ہی نہیں رکھتی بلکہ اسے فکر و شعور، تصور خیال اور علم و عمل سے بھی مزین کرتی ہے۔ اسی لیے روح کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی پاکیزگی کے لیے جدوجہد کرنا روحانیت کہلاتی ہے۔ عام طور پر لوگ جسم کی افزایش اور آرایش پر وقت اور سرمایہ صرف کرتے ہیں، عمدہ غذا، خوش نما لباس اور اچھے مکان سے جسمانی راحت حاصل کرتے ہیں۔ جسم کی اس افزایش میں عموماً روح نظرانداز کر دی جاتی ہے۔ دیکھنے میں صحت مند اور طاقت ور آدمی اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ روحانی طور پر اس بیمار انسان کے بارے میں کہا گیا ہے:

منظر سیاہ پوش نہ پیکر جلا ہوا ہر شخص اپنی ذات کے اندر جلا ہوا

روحانی دنیا

انسان کی بیرونی دنیا جو جسم کی سیرگاہ ہے جتنی وسیع اور حسین ہے اس سے کہیں زیادہ وسیع اور خوب صورت اندرونی دنیا ہے، جو روح کا محل ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے:

ستم است گر ہوست کشد بسیر سرو سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن در آ

[یہ ستم ہے کہ تیری ہوس تجھے باغ و چمن کی سیر کے لیے اُکساتی ہے، تم غنچہ سے کسی طرح کم درخشاں

نہیں ہو، دل کا دروازہ کھول لو اور اس چمن میں داخل ہو جاؤ]۔

انسان باہر کی دنیا کو کبھی حسرت اور کبھی شوق بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن جتن کرتا ہے اور پوری زندگی کھپا دیتا ہے، مگر روحانی دنیا کی قدر و قیمت سے بے خبر رہتا ہے، حالاں کہ پیدا کرنے والے رب نے اپنی خلاقی، رزاقی اور کبریائی کی علامتیں کائنات کے ساتھ خود انسان کے اندرون میں پوشیدہ کر دی ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الذاریات ۵۱:۲۰-۲۱) یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمھاری ذات میں نشانیاں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

قرآن پاک نے روح کو نفس سے بھی تعبیر کیا ہے اور اسی کو اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی کا محل قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ (الشمس ۹۱:۷-۱۰) اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی اس بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

● **معرفت نفس**: قرآن پاک کی مذکورہ تعلیم کی روشنی میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ روحانیت کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے۔ نفس کی معرفت حاصل کرنا گویا رب کی معرفت حاصل کرنا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ عَرَفَ رَبَّهٗ (محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، المقاصد الحسنۃ، ص ۱۹۸)

جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کی، اس نے گویا خدا کی معرفت حاصل کر لی۔

انسان کا نفس اگرچہ ایک جوہر ہے مگر احوال و اعمال کے لحاظ سے اس کی تین حالتیں ہیں۔ اس لیے اسے تین ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر نفس نور الٰہی سے منور ہو، اس کی عبادت میں شاد کام ہو اور اس کے احکام کی بجا آوری میں مسرور و مطمئن ہو تو اسے 'نفس مطمئنہ' کہا جاتا ہے۔ اگر گناہ کی ظلمت میں نفس گھرا ہوا ہو، کبھی کبھی بدی کی طرف مائل ہو مگر کبھی نیکی کی طرف مائل ہو

اور بُرائی سے اجتناب کرتا ہو، معاصی پر ندامت محسوس کرتا ہو اور اپنے آپ کو ملامت کرتا ہو، تو اسے 'نفس لوامہ' کہا جاتا ہے۔

تیسرا پہلو نفس امارہ ہے۔ یہ وہ نفس ہے جو انسان کو بُرائیوں پر اُکساتا ہے۔

قرآن پاک نے نفس کو ان تینوں ناموں سے یاد کیا ہے۔

روحانیت کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان نفس کی تمام حالتوں سے اور جملہ حرکتوں سے باخبر ہو، اس کے میلانات سے واقف ہو، اس کے شرور وفتن سے آگاہ ہو اور ان کے اثرات کا اسے علم ہو۔

● **ضبطِ نفس**: روحانیت کی دوسری منزل ضبطِ نفس ہے۔ معرفت نفس کے بعد روح کا تقاضا یہ ہے کہ حرص وہوس اور خواہشات نفس پر قابو رکھا جائے۔ خواہش انسان وحیوان دونوں میں مشترک ہے۔ دونوں خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں، خواہ یہ خواہش پیٹ بھرنے کی ہو یا جنسی آسودگی کی ہو۔ حیوان خواہشات کی تکمیل میں حدود و قیود اور حرام وحلال کی تمیز نہیں رکھتا۔ اسے پیٹ بھرنے کے لیے اور جنس کی آگ بجھانے کے لیے جو کچھ اور جتنا کچھ ملے اس کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے، جب کہ انسان بھی شکم اور جنس کی تسکین کا سامان کرتا ہے۔ اگر بے قید ہو کر اس کی تکمیل کرتا ہے تو اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ حیوان کی طرح پست ہوتا ہے یا اس سے بھی گرا ہو۔ اور اگر اس کی تسکین شرعی ضابطے کے تحت کرتا ہے تو روحانی بلندی حاصل کرتا ہے اور فرشتہ صفت بن جاتا ہے۔ حیوان بے عقل اور نادان ہے اور فرشتہ دانا اور زیرک ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسان کو جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے عقل مند اور دانا انسان قرار دیا ہے، اور جو خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اسے نادان اور عاجز فرمایا ہے:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (سنن ترمذی) عقل مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرتا ہے اور آخرت کے لیے عمل کرتا ہے، اور عاجز انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے حوالے کر دیتا ہے اور اللہ سے تمنائیں کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی کامیابی اور ناکامی اور جنت وجہنم کا فیصلہ خواہشات نفس کی تعدیل اور تکمیل پر موقوف کیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾ (النازعات ۷۹:۳۷-۴۱) تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کو ترجیح دی تھی، دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔

انسان جب حیوان کی طرح خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلتا ہے اور ان کا اسیر ہو جاتا ہے تو یہی خواہش خدا کی جگہ لے لیتی ہے۔ انسان حقیقی خدا کی فرماں برداری کی جگہ خواہشِ نفس کی فرماں برداری کرنے لگتا ہے اور نفس پرستی اس کا مقصد بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بندۂ نفس کی ملامت کرتے ہوئے کہا ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ ط اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا ﴿۴۳﴾ (الفرقان ۲۵:۴۳) ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا آپ اس کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟''

خواہش نفس کی بندگی اللہ کی بندگی کے منافی ہے۔ اسی لیے رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ (مشکوٰۃ المصابیح) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

نفس کی منہ زور خواہشات کی اتباع شیطانیت ہے اور ترک خواہشات روحانیت ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے اس نکتے کو حسب ذیل شعر میں بیان کیا ہے:

نفس و شیطان ہر دو یک تن بودہ اند
در دو صورت خویش را بنمودہ اند

[نفس اور شیطان دونوں ایک قالب ہیں اور دو صورتوں میں اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہیں]۔

روحانیت کا اعلیٰ مقصد

انسان اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے، جب کہ اس کے سامنے کوئی اعلیٰ مقصد ہو۔ وہ اپنی

قرآن اور علمِ نافع

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

قرآن تمام معاملات میں دین کی رہنمائی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے قرآن دنیا و آخرت دونوں کے معاملات میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط (الزخرف ۴۳:۸۴) ''اور وہ اللہ وہی ہے جو آسمان کا معبود ہے اور زمین کا بھی معبود ہے''۔

قرآن پاک علم کو نافع اور غیر نافع کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ ہر وہ علم جو دنیا و آخرت کے لحاظ سے مفید ہو، اس کو حاصل کرنا انسان کی سعادت، ترقی اور نجات کا ذریعہ ہے، اور جو علم دنیا و آخرت کے لحاظ سے غیر مفید ہو اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ جو علم نفع بخش نہ ہو اس میں وقت لگانا اپنی عزیز عمر کو برباد کرنا ہے۔ قرآن کی نظر میں بہت سے علوم ایسے ہیں جو انسانوں کے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہیں، مثلاً جادو، کہانت اور سفلی علوم۔ قرآن نے یہودیوں کے ایک طبقے کے بارے میں یہ انکشاف کیا کہ وہ ایسے ہی نقصان دہ علوم کو حاصل کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرتے تھے۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط (البقرہ ۲:۱۰۲) ''وہ لوگ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہے، نفع بخش نہیں ہے''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (مسند احمد، ج ۲، ص ۴۹۶) ''جو علم نفع بخش نہ ہو اس کی مثال اس خزانے کی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے''۔

جس طرح مال ضرورت کے وقت خرچ کرنے کے لیے اور حاجت پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح علم جہالت دُور کرنے، روشنی پھیلانے اور منفعت عطا کرنے کے لیے ہوتا ہے

لیکن اگر علم نفع بخش نہ ہو تو انسانوں کو اس کی کیا حاجت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع بخش نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ (ترمذی، ج:۲، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی جمیع الدعوات) ''اے اللہ میں ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشیت نہ ہو اور ایسی دعا سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے حضور قابل قبول نہ ہو اور ایسے نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو آسودہ نہ ہو، اور ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو''۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

مَا اَکْثَرَ الْعِلْمَ وَمَا اَوْ سَعَهٗ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَقْدِرُ اَنْ یَجْمَعَهٗ
اِنْ کُنْتَ لَا بُدَّلَهٗ طَالِبًا مُحَاوِلًا فَالْتَمِسْ اَنْفَعَهٗ

علم کی کتنی کثرت اور وسعت ہے، کون ہے جو سارے علوم کو جمع کرلے۔ اگر تم علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو زیادہ نفع بخش علم حاصل کرو۔ (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی، ص ۱۸۲، دہلی ۱۹۵۳ء)

قرآن پاک میں یہود کی ایک عبرت ناک مثال دی گئی ہے، ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ط (الجمعۃ ۶۲:۵) جو لوگ تورات کے حامل ہوئے پھر اس سے نفع نہیں اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی ہے جو اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتا ہے۔

مثال کا حاصل یہ ہے کہ علم کا مقصد دل و دماغ کو منور کرنا اور اخلاق و کردار کو سنوارنا ہے، اگر یہ حاصل نہ ہوا تو کتابوں کا بوجھ اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسے گدھا اپنی پیٹھ پر لدی ہوئی کتابوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا، کتنی ہی کتابیں اس پر لاد دو اس کی خرد ماغی نہیں جاتی، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

علم کا حاصل

جس علم سے انسان میں صحیح اور غلط کی تمیز پیدا نہ ہو، دل و دماغ روشن نہ ہو، اعمال قبیح کو